ضرور لگا تا ہوں وہاں سب کچھ دیکھ کر آزردہ اور پریشان ہو کر واپس آ جاتا ہوں۔

قائد اعظم...... پاکستان کے دکھ درد کی افسوسناک داستان مجھے ہر روز سنائی جاتی ہے، تم بھی ہو...... تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔

ہمایوں مغل...... اے بابائے قوم...... جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے اگر یہ سب آپ کے علم میں ہے تو پھر آپ جنت کا مزہ کیوں لے رہے ہیں اگر پاکستان کے یہ حالات آپ کے لئے بھی تکلیف اور پریشانی کا باعث ہیں تو پھر آپ ایک ایک بااختیار پاکستانی کے خواب میں آ کر اس کے ضمیر کو جھنجھوڑتے کیوں نہیں اور اسے کیوں نہیں کہتے کہ ''اے پاکستانی...... اٹھ آنکھیں کھول، میں نے پاکستان کے لئے جو راہ عمل بنایا تھا جو اصول اور ضوابط بنائے تھے ان کی پابندی کر...... اور لوگوں سے اس پر عمل کرا...... تم لوگوں نے اپنی بے عملی سے میرے پاکستان کو آدھا کر دیا اب باقی ماندہ آدھے پاکستان کو تو سنبھالو۔

قائد اعظم...... اے میرے بچے...... تو جاپان میں بٹھا ہے کبھی کبھار پاکستان جاتا ہے یا اخبار پڑھتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے مگر میرے سامنے تو پورا پاکستان ہر وقت رہتا ہے۔ پورے پاکستان کے حالات روزمرہ واقعات میرے سامنے ٹیلی ویژن کی طرح چلتے رہتے ہیں۔ میں کس کو کیا بتاؤں ہر حکمران کے زمانے میں۔ میرے اقوال بنائے جاتے ہیں۔ آج تک ٹیلی ویژن اور حکمرانوں کی تقریروں میں قائد اعظمؒ کے اقوال کے نام سے جو کچھ بھی کہا جاتا ہے میں حیرانی سے اسے دیکھتا ہوں کہ ہر شخص اپنے مطلب کی بات میرے حوالے سے کرتا ہے...... ہرگز یہ اقوال میرے نہیں میں نے تو صرف اس قوم کو ایک سبق دیا تھا کہ:

اتحاد، یقین اور تنظیم

میں نے تو اپنی ساری زندگی میں اس قدر الفاظ استعمال نہیں کئے جتنے کہ میرے اقوال بنا کر شائع کر دیئے گئے ہیں۔

اے ہمایوں مغل...... تم نے مجھے پکارا مجھ سے بات کرنے کی خواہش کی تو میں حاضر ہوں...... میں کس کس کے خواب میں جاؤں...... ان سے کیا کہوں...... کیا وہ صبح عوام کو وہی بات کہے گا جو میں اسے کہوں گا......؟ نہ بیٹا مجھے ایک نئی آزمائش میں مت ڈال...... البتہ میری طرف سے اہل پاکستان کو ایک بات کہہ دو کہ جو شخص بھی پاکستان کی محبت اور سچائی کے ساتھ میری طرف رجوع کرے گا۔ اسے ہدایت کرنے کے لئے میں اس کے خواب میں آ جاؤں گا۔

بابائے محترم نے کہا کہ مجھے بہت دکھ ہوتا ہے میری روح بری طرح تڑپتی ہے جب کوئی اس پاک سرزمین سے غداری کرتا ہے۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی بات کرتا ہے۔ یہاں حق اور انصاف کا خون کرتا ہے اور پاکستان کے مالک غریب عوام کے حقوق کو پائمال کرتا ہے۔

یہ پاکستان ہے۔ یہاں کے ہر شہری کو اس ملک میں اپنے ترقی کرنے اور بڑے سے بڑے عہدے تک پہنچنے کا اختیار ہے۔ یہ ملک صرف جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور بالادست لوگوں کے لئے نہیں بنایا تھا۔ یہ سرمایہ دار اور جاگیردار تو انگریز کے ساتھی تھے۔ میرے ساتھ تو برصغیر کے غریب مسلمان تھے۔

یہ پاکستان...... مولویوں کے فرقہ بازی کے کھیل کے لئے نہیں بنایا تھا۔ میرے ایک ہاتھ پر مولانا شبیر احمد عثمانی تھے اور دوسرے ہاتھ پر راجہ صاحب محمود آباد۔ میرے ساتھ جوگندر ناتھ منڈل تھا اور دوسری طرف سر ظفر اللہ خان میرا وزیر خارجہ تھا، میں نے تو پاکستان میں تمام لوگوں کو یکساں اور باعزت مقام دیا، مگر یہ پاکستان بنانے کے مخالفین کون ہوتے ہیں کہ وہ یہ فیصلہ کریں کہ پاکستان میں کس کو رہنا ہے اور کس کو نہیں رہنا۔ پاکستان کے اتحاد اور مستحکم رہنے کا نسخہ ہی یہ تھا کہ یہاں ہر قوم مذہب اور رنگ و نسل کے لوگ اطمینان و آشتی سے رہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ محبت کریں۔ ایک دوسرے پر اعتماد کریں مگر میری روح پر اس وقت بڑے شدید گھاؤ لگتے ہیں جب کوئی اپنی ذاتی اغراض کے لئے پاکستان کے امن و سکون کو غارت کرتا ہے جب کوئی ذاتی منفعت کے لئے اس ملک کی خوبصورت اور مہکتی ہوئی فضاؤں میں زہر گھولتا ہے۔ جب یہاں کوئی فرقہ باز مذہبی منافرت کی بات کرتا ہے تو میری روح کانپ جاتی ہے اور میں تادیر اس صدمہ سے نڈھال رہتا ہوں۔

ہمایوں مغل...... میں نے باباجی کی نڈھالی اور تڑپتی روح کو سکون دینے کے لئے وعدہ کیا کہ باباجی...... میں آپ سے اپنے دل کی بات کھول کر کرتا ہوں کہ میری کوشش ہوگی کہ پاکستانی قوم کو ایک بار پھر آپ کی جیتی جاگتی تصویر اور آواز ہر پاکستانی کے سامنے لاؤں اور ان کے کان میں ڈالوں ان کے دلوں تک پہنچا سکوں۔

اس پر بابائے قوم کے چہرے پہ بشاشت کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے مجھے تعریف اور خوشی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ...... بیٹا تم وطن سے دور بیٹھے ہو۔ اس کے باوجود تمہیں پاکستان کی اس قدر فکر ہے۔ کاش! پاکستان کے بااختیار، اور معاملات کو سدھارنے والے بھی اس جذبہ اور حب الوطنی سے آگاہ ہوتے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی قوم

کے لیے ہر قسم کے اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یقین (ایمان)، اتحاد اور تنظیم۔مملکت پاکستان کے تین بنیادی اصول تھے۔اس پر عمل کیا جاتا تو۔پاکستان آج دنیا کا ایک نا قابل تسخیر ملک بن چکا ہوتا۔کسی کو ہمت اور جرات نہ ہوتی کہ وہ پاکستان کو دولخت کرنے کی سازش میں حصہ لیتا۔''

بابائے قوم نے جب یہ الفاظ کہے تو میں ان الفاظ کے معانی میں کھو گیا۔بابا...... نے جو کہا تھا اس کی اتھاہ گہرائی تک جانے کے لیے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔اگر ہماری یقین کی قوت۔یعنی ایمان مضبوط ہوتا۔تو ہم مشرقی پاکستان میں کھڑے ہو کر اپنے بنگالی بھائیوں کو کہتے کہ جناب آپ کو کس چیز کا گلہ شکوہ ہے۔کس چیز کی ضرورت ہے۔آپ سب کچھ لے لو، بلکہ سب کچھ آپ ہی کا ہے۔آپ کو اسلام آباد چاہئے لے لو، لاہور چاہئے یہ بھی لے لو، لیکن ہم سے علیحدگی اختیار نہ کرو۔اسلام آباد، اقتدار، وزیر اعظم اور صدر۔وفاقی طاقت کا مظہر ہے۔ہم جب بنگالی بھائیوں کو اس کی پیشکش کرتے تو وہ کبھی ہم سے علیحدہ نہ ہوتے۔لاہور علامت ہے پنجاب کے شان وشکوہ اور شاندار تاریخ کی۔ہم انہیں کہتے تم وزیر اعظم ہی نہیں صدر بھی بن جاؤ۔لاہور میں بھی اپنے گورنر اور وزیر بنالو مگر ہمارے ساتھ رہو۔تو کیا پھر وہ ہم سے علیحدہ ہوسکتے تھے؟ آج بھی ہم دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ہوتے۔

اتحاد......ہم بلوچ، پٹھان، سندھی، پنجابی اور بنگالی سب آپس میں اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرتے ایک ایسے کلچر کو تعمیر کرتے ایسی مشترکہ ثقافت اور تہذیب ابھارتے کہ دنیا حیران رہ جاتی کہ علامہ اقبالؒ نے جس ملک کا خواب دیکھا تھا اور قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دنیا کے جغرافیہ کو جس ملک کے لیے بدل دیا۔یہ ملک دنیا کے نقشہ پر ایسے ابھرا ہے کہ باقی سارے ملک ماند پڑ گئے ہیں۔مگر یہ کام ہمارے اتحاد، باہمی اتحاد سے ہی ہوسکتا تھا۔ہم نے اتحاد کو نظرانداز کر کے صرف بابائے ملت کے خیالات ہی کی نفی نہیں کی۔ہم نے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی بھی خلاف ورزی کی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔تو قائداعظمؒ نے ہمیں باہمی اتحاد کی تعلیم غلط تو نہیں دی تھی۔انہوں نے ہمیں ٹھیک راستہ دکھایا تھا۔مگر ہم نے اس راستہ پر چلنے کے بجائے اپنے دشمنوں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا پسند کرلیا۔بھارت اپنے ملک کے اندر بھارتی نیشنلزم تعمیر کر رہا ہے، مگر

پاکستان میں وہ لوگوں کو پنجابی، پختون، بلوچ، سندھی اور مہاجر ہونے کا درس دے رہا ہے۔ ہم اپنے دشمن کی آواز پر یقین کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھارتی اداروں سے امداد لینے والے کتنے ادارے ادب، ثقافت اور این جی اوز کے نام نہاد پردوں میں کام کر رہے ہیں۔ یہ سب لوگ کبھی پشتو اخبار نکالتے ہیں، کبھی سندھی ادب و تاریخ پر رسالے نکالتے ہیں۔ کبھی پنجابی میں اخبار شائع کرتے ہیں، کبھی بلوچستان کے تہذیب و ثقافت کو پاکستان سے علیحدہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاش کوئی حکومت ان تمام این جی اوز کو بند کردے جو پاکستانی نیشنلزم کی تعمیر کرنے کے خلاف کام کر رہی ہیں۔ آج پاکستانی قوم و ملک میں اتحاد تب ہی پیدا ہوسکتا ہے اگر ہم پاکستانی قومیت کا پرچار مضبوط کریں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آج سے پچپن سال قبل ہندوستان میں مسلمان ایک قوم کی حیثیت سے ایک ملک کے قیام کے لئے سرگرداں تھے۔ جدوجہد کر رہے تھے مگر آج پاکستان ایک ملک ہے جو اپنے لئے ایک قوم کی تلاش میں ہے مگر یہ بکھرے ہوئے لوگ...... ایک قوم بننے سے انکار کر رہے ہیں۔ بابائے ملت نے اتحاد کا جو درس دیا تھا وہ غلط نہیں تھا یہ بالکل ہماری قومی امنگوں، دینی ضوابط اور ملک کے تقاضوں کے مطابق تھا۔ اتحاد...... بہت ضروری ہے کیونکہ یہ ہی ہماری پاکستانی قومیت کی بنیاد ہے۔

قائداعظم کا تیسرا فرمان تنظیم، ڈسپلن تھا کہ ہم سب لوگ، فوج کی طرح منظّم اور ایک ضابطے اور قرینے کے ہو جائیں...... کراچی سے چاغی، پشاور اور کشمیر سے لاہور تک۔ ایک قوم، سلہٹ سے ڈھاکہ اور چٹاگانگ تک سب لوگ متحد ہوتے، مگر، ہم سب متحد ہونے کے بجائے ٹکڑوں میں تقسیم ہوگئے۔ آج آدھا پاکستان رہ گیا ہے مگر ہم نے اپنی ذلت اور رسوائی سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ ہم نے پٹھان، پنجابی، بلوچ، سندھی اور مہاجر کے چولے پہن لئے ہیں۔ آج ہم پاکستانی قوم کا علم اٹھانے کے بجائے اپنی اپنی علیحدہ قومیت کے علم بنانے میں مصروف ہیں اگر ایسی صورتحال رہی تو کیا ہم پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے؟

آج ہم ایک قوم بننے کے بجائے خاندانوں، برادریوں اور ذاتوں میں تقسیم ہو رہے ہیں۔ یہ تقسیم غلط ہے۔ یہ سارے خاندان، برادریاں اور ذات پات باہم مل کر ایک پاکستانی قوم کی متحدہ و مضبوط چٹان بن جائیں۔ یہ ہی علامہ اقبالؒ کا خواب اور بابائے قوم کی جدوجہد تھی۔ آج علامہ اقبالؒ اور بابائے قومؒ ہی نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی اپنی خواب گاہوں میں بے چین و بے قرار ہیں۔ وہ جس مسلمان امہ اور مسلمان قومیت کا علم لے کر اٹھے تھے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ:

’’آج گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، امیر کو غریب پر، کوئی فوقیت نہیں ہے۔ یہ سب لوگ برابر اور یک جان ہیں۔‘‘

کیا ہم آج...... باہم برابر و یک جان ہیں؟

بابائے قومؒ نے جب اپنے تین اصولوں کا ذکر کیا تو یہ سب خیالات میرے دل و دماغ میں اُمڈ آئے تو مجھے احساس ہوا کہ جو بیج ہمارے لیڈروں اور قائدین نے کاشت کیا تھا وہ بیج تو اچھا تھا۔ اس کا پودا بھی ٹھیک لگا مگر پہلے پچپن برسوں میں ایسے عظیم الشان پودے کو کس دشمن کی نظر بد کھا گئی۔ کیوں ہم برباد ہونا شروع ہو گئے۔ دشمن کا کام تو دشمنی کرنا ہے۔ اس سے گلہ کرنا تو بے کار ہے۔ ہم نے دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے اپنے دامن میں کون دشمن ہے جو اندر ہی اندر ہمیں کھا رہا ہے۔ ہمیں تباہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ جو قومیں کسی تنظیم اور ڈسپلن میں ہوتی ہیں وہ ہر سال اپنا احتساب خود کرتی ہیں خود ہی اپنے نقائص کا جائزہ لیتی ہیں کیا ہم نے کبھی اپنے نقائص اور غلط پالیسیوں کا جائزہ لیا؟ کبھی نہیں! آخر کیوں نہیں...... کیا پاکستان ایک باقاعدہ اور منظم ملک نہیں ہے۔ کیا ہمارے ادارے اعلیٰ درجہ کے ادارے نہیں ہیں تو پھر ہم اپنا احتساب خود کیوں نہیں کر سکے...... جو قومیں اپنے معاملات کا خود احتساب کرتی ہیں وہ ہی زندہ قومیں ہوتی ہیں۔ ہم پاکستان قائم کرنے کے لئے ایک زندہ قوم تھے۔ ہم نے ہر طرح کے لالچ اور ترغیب کو ٹھوکر مار کر، مسلمان قومیت کی بنا پر پاکستان حاصل کیا تھا۔ اس کے بعد ہمیں کیا ہوا۔ قائداعظمؒ نے کہا تھا کہ ملک بنا لینا آسان ہے مگر اسے قائم رکھنا مشکل ہے۔ اس کے لئے محنت، دیانت داری اور عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ تو کیا ہم اپنی محنت، دیانت داری اور عقل سلیم سے بھی محروم ہو گئے ہیں۔ قائداعظمؒ نے اپنی عملی زندگی سے اس ملک کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لئے جو اصول ہمیں دیئے تھے ہم نے ان اصولوں کو نظر انداز کر دیا اور ان پر عمل پیرا ہی نہیں ہوئے۔

بابائے ملت کی یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی کہ اگر ہم ان تین اصولوں کو فراموش کرنے کے بجائے ان پر اپنے وطن عزیز کی عمارت تعمیر کرتے تو کوئی طوفان، کوئی زلزلہ اس کو گرا نہ سکتا اور یہ بات بھی طے ہو گئی کہ جس بیج کی کاشت سے پاکستانی قوم اور ملک کا پودا تیار کیا گیا تھا اس میں بھی کوئی نقص نہیں تھا، کوتاہی ہم سے یہ ہوئی کہ اس پودے کی پرورش کرنے کا طریقہ جو بابا جی نے بتایا تھا اس پر ہم نے عمل نہیں کیا...... نہ صرف عمل نہ کیا بلکہ اس میں بڑی شدید قسم کی کوتاہی کی۔ جیسا کہ انسان بچے تو پیدا کر لیتا ہے مگر ان کی پرورش اور تربیت پر وہ توجہ نہیں دیتا جو کہ بچوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر ہم من حیث

القوم ایسا کرنے لگیں تو ہمارے ملک میں بھی ہزاروں نامور سائنس دان، حساب دان، اعلیٰ سیاستدان، بڑے بڑے موجد اور ملک وقوم کی رہنمائی کرنے والے لیڈر، ماہرین معیشت، ڈاکٹرز پیدا ہوتے مگر افسوس کہ ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوئے۔ قائداعظم تو یہ نوکاشتہ پودا قوم وملک کے حوالے کر کے چلے گئے مگر اس کی پرورش اور دیکھ بھال میں بڑی کوتاہی اور غلطیاں ہوئیں۔ بابائے قوم کے سامنے ہمیں سر جھکا کر اس کا اعتراف کر کے آگے چلنا چاہئے تاکہ ہم اپنی اصلاح کے لئے کوئی نسخہ حاصل کر سکیں۔

ہم سے کیا غلطیاں سرزد ہوئیں؟

ہم نے بابائے قوم کے سامنے اپنی غلطیوں اور خامیوں کا اعتراف تو کر لیا اور سر جھکا کر ان سے ان کی معافی بھی مانگ لی۔ مگر یہ غلطیاں کیا ہیں؟ جب تک ہم ان کو خود پہچان نہ لیں کہ آخر ہماری تباہی اور بربادی کی وجہ بننے والی غلطیاں کیا ہیں اور ان ہو چکی غلطیوں کا اب کس طرح ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم قومی نظم ونسق اور قومی اتحاد وتنظیم میں بڑے اس بگاڑ کو کس طرح ختم کر سکتے ہیں۔

مجھے اس کی جو سمجھ آئی وہ یہ تھی کہ پاکستان، ایک عظیم مملکت اور ایک بہت بڑی نظریاتی سلطنت ہے۔ سارے ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ اس ملک میں بسنے کے لئے آئے یہ ایک ایسا ملک تھا کہ پورے ہندوستان کے مسلمان اسے اسلام کا قلعہ سمجھ کر اس سرزمین پر رہنے کے لئے آئے۔ یہ برصغیر ہندوستان ہی کے مسلمانوں کا نہیں پورے عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے ایک مثالی مملکت تھی۔ پوری دنیا کے مسلمان جس طرح اس مملکت کو اپنے لیے ایک مینارۂ نور اور نظریاتی رہنمائی کے لیے دیکھ رہے تھے۔ اسی طرح اسلام دشمن قوتیں بھی روز اول سے اس ملک کو توڑ دینے اور اس کی نظریاتی حیثیت کو منتشر کرنے کی فکر میں تھیں۔ اس لئے قائداعظم محمد علی جناحؒ اور قائد ملت لیاقت علی خان شہید نے بھی قوم کو خبردار کیا تھا کہ اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہو۔ قائداعظمؒ نے اپنے عملی تجربہ سے واضح کیا کہ ہندو، مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے۔

ہندو کی سیاست سے بچو...... ہندو کے شر سے محفوظ رہو...... مگر قائداعظمؒ کے بعد جونہی شہید ملت کی آنکھیں بند ہوئیں ہمارے قائدین نے بانیان پاکستان کے تمام نصائح کو فراموش کر دیا۔ پاکستان ایک فلاحی اور رفاہی مملکت کی حیثیت سے قائم ہوا تھا۔ یہاں کے جمہوری نظام کو غریب اور عام لوگوں کے لئے قائداعظمؒ نے ایک مثالی نظام بنانے کا اعلان کیا

تھا۔ پاکستان کے مسلمانوں کو ایک قوم قرار دیا تھا کہ خواہ وہ بنگال سے ہوں، پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ، بلوچستان، جہاں کے رہنے والے بھی ہوں۔ صرف پاکستانی ہیں، مگر پاکستان کے ابتدائی پچیس برسوں کے دوران پاکستانی سیاست پر ایسے لوگوں کا قبضہ رہا جنھوں نے ملک وملت کی اجتماعی دانش اور قوت کا اندازہ کرنے کے بجائے مختلف حصوں میں اپنی ذاتی قوت اور سیاسی اثر ونفوذ کے اڈے بنالئے۔ ان لوگوں نے اپنے ذاتی مفادات کے لئے پاکستانی نیشنل ازم کو فروغ دینے کے بجائے علاقائی، لسانی اور مذہبی سیاست کو چمکانے کی کوشش کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو پاکستان پر حکومت کرنے کے خواہش مند تو تھے ملک پاکستان کو ایک اکائی اور ایک چٹان بنانے سے گریزاں تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو صوبائی اور لسانی تعصّبات کی بنیاد پر سیاست کرتے تھے۔ یہ خودغرض لوگ مملکت خداداد پاکستان کی سیاست میں انتشار اور ایسی الجھنیں پیدا کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ مملکت خداداد کے مقاصد کا رخ تبدیل ہوتا گیا۔ سیاست دان، سرکاری ملازم، تاجر، دکاندار، سرمایہ دار، جاگیردار، مزدور اور مزارع سب ہی طبقات نے لوٹ مار کی ایک فضا قائم کردی جو چیز جس کے ہاتھ لگی اسے وہ لوٹ کر اپنے گھر لے چلا۔ یہ افراتفری، تو موت کی علامت تھی مگر یہ افراق، عوام کی سطح پر اتر آیا۔ اس ملک کے سیاست دانوں اور بیوروکریسی کے اعلیٰ وادنیٰ افسروں نے پاکستان میں ہندو اور دیگر غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی املاک، مہاجرین اور بے مکان مسلمانوں کو دینے کے بجائے اپنے نام الاٹ کرانا شروع کردیں۔ کچھ سیاستدان اور سرکاری افسر سرمایہ دار ہونے کی کوشش میں مصروف ہوگئے۔ لوگ اپنی جائیداد بنانے اور بینک بیلنس بڑھانے کے مقابلہ میں شریک ہوگئے۔ سب کے بارے میں تو نہیں کہا جاسکتا مگر اکثریت ایسی ہی نظر آرہی تھی۔ اعلیٰ عدالتوں کے جج، تحریک پاکستان کے اکثر کارکن اور لیڈر، بھارت سے آنے والے لٹے پٹے قافلوں کی دیکھ بھال کرنے کے بجائے ان کے ناموں پر بھاری املاک الاٹ کرانے اور پھر انہیں معمولی داموں خریدنے کے چکر میں پڑ گئے۔ دولت مند بننے کی یہ دوڑ بڑی خطرناک تھی اور جو لوگ اس میں شریک تھے ان کی نگاہوں میں نظریہ پاکستان، اسلام اور مسلمان کی کوئی حیثیت باقی نہ رہی۔ پاکستان قائداعظمؒ کے ہاتھوں لگایا گیا ایک میٹھے پھل کا درخت......اسے پانی دینے، اس کے پتوں اور شاخوں کی دیکھ بھال کرنے اور اس کی جڑوں میں کھاد ڈالنے کے بجائے لوگ اس کے تنے اور نازک پھولوں کے درپے ہوگئے۔ اسے ایک تناور درخت بنانے کے بجائے اسے علاقائی، لسانی اور مذہبی بنیادوں پر تقسیم کرنے لگے اور یہ عالی شان پودا، اپنی فطری پرواخت کی بجائے لالچ بھری نگاہوں کی آگ اور دشمنوں کی سازشوں کی گرمی میں سلگنے لگا۔

اگراس پودے کی اچھی دیکھ بھال کی جاتی، اس کی نظریاتی بنیادیں سیدھی رہنے دی جاتیں تو یہ درخت اس خطہ ارضی کو اپنی ٹھنڈی اور میٹھی چھاؤں میں لے لیتا اور اپنے میٹھے پھلوں کے سہارے پورے خطہ کی ضروریات پوری کرتا، اور ہم اپنی ضرورت کے مطابق اس کی شاخوں میں نئے نئے پھلوں کے پیوند لگا لگا کر پوری اسلامی دنیا کو ان کے مزے سے آشنا کرتے اور پورے جہان کو پاک سرزمین بنانے کے لئے اس میٹھے پھل سے فائدہ اٹھاتے مگر افسوس ہم یہ نہ کر سکے۔ ہم اپنے پاکستانی بھائیوں کو بھی یہ پھل کھلانے کے بجائے نہ جانے کس کس ملک سے دشمنوں کے بھیجے ہوئے کڑوے کسیلے اور کھٹے پھل کھلا رہے ہیں اور پاکستان سے بدظن کر رہے ہیں۔ ہم گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہ گمراہی ہمیں بہت برے دن دکھا چکی ہے اور ہم بہت ہی برے دن دیکھ رہے ہیں۔

دیکھیں ہمارے پاس آدھے سے زیادہ پنجاب ہے اور آدھے سے کم پنجاب انڈیا کے پاس ہے۔ پہلے یہی پورا پنجاب تھا جہاں سے پورے انڈیا اور برطانیہ کے لئے غلہ پیدا ہوتا تھا، اب ہمارے پاس، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے وسیع وعریض زرخیز علاقے ہیں۔ بلوچستان کا خوبصورت علاقہ ہے۔ جس علاقہ سے چالیس کروڑ افراد غلہ حاصل کرتے تھے وہ سرزمین اب صرف پندرہ کروڑ افراد کے لئے غلہ پیدا کیوں نہیں کر سکتی......؟ ہماری زمینوں اور ہمارے کسانوں کو کیا ہوا ہے......؟ اس کے مقابلہ میں ہم سے چھوٹا پنجاب جو بھارت میں ہے پورے بھارت کے ایک ارب انسانوں کے لئے گندم پیدا کر رہا ہے۔ وہ حکومت کسانوں اور کاشتکاروں سے آبیانہ وصول نہیں کرتی اور بجلی کا بل برائے نام وصول کیا جاتا ہے لیکن وہاں زمین سے فی ایکڑ پیداوار ہم سے دوگنی ہے اور گندم کی کوالٹی بہت بہتر ہے۔ ہمارے ہاں زمین بڑے بڑے جاگیرداروں، زمینداروں کے پاس ہے بہت تھوڑے علاقے ہیں جہاں زمین چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کے پاس ہے۔ بھارت میں کاشت کاروں کو محکمہ زراعت باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے مشورہ دیتا ہے کہ کسی علاقہ میں گندم اور کہاں کہاں گنا کاشت کیا جائے گا۔ انہوں نے مختلف علاقے اس کے لئے مخصوص کئے ہوئے ہیں۔ جہاں کسان اپنی فصل جمع کرتے ہیں۔ محکمہ خوراک وہاں سے یہ سارا غلہ تول کر کسانوں کو نقد قیمت ادا کرتا ہے۔

جبکہ ہمارے ملک میں محکمہ زراعت کاشت کاروں اور زمینداروں کو ہرگز رہنمائی فراہم نہیں کرتا۔ بھارت میں جعلی کیڑے مار ادویات بنانا اور کسان کو ناقص کھاد فراہم کرنا انتہائی شدید نوعیت کا جرم ہے۔ جبکہ پاکستان میں جعلی کیڑے مار ادویات سرکاری طور پر فراہم کی جاتی ہے اور ان کی قیمت بھی بے تحاشہ زیادہ ہوتی ہے کیونکہ یہ جعلی ادویات اور کھادیں

ہمارے بعض سرکاری نیم سرکاری محکموں کی سرپرستی میں ہی تیار کی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ کسانوں کو بجلی کے نرخوں میں کو ئی رعایت نہیں دی جاتی۔محکمہ خوراک یا شوگر ملیں یا کاٹن جیننگ ملز ہمارے کسانوں کی جو پیداوار آڑھتی کے ذریعہ خرید تے ہیں۔

پاکستان کا محکمہ خوراک،شوگر ملیں اور کپاس خریدنے والے کسانوں کی زمین پر جا کر یہ اشیا وہاں تول کر نقد ادائیگی کر کے کیوں خرید نہیں کرتے۔کسانوں،کاشت کاروں کو اعلیٰ درجہ کے بیج،کیڑے مار ادویات اور کھادیں کم قیمت پر فراہم کی جائیں۔ان سے بجلی کا بل بہت کم لیا جائے تو یقیناً ہمارا کسان بھی انڈیا کے کسان سے بہتر فصل دے سکتا ہے اور فی ایکڑ پیداوار بھی بڑھا سکتا ہے مگر پاکستان چونکہ مملکت خداداد ہے اس لئے ہم یہاں کیڑے مار ادویات جعلی بناتے ہیں۔ کھادوں میں جعلسازی کرتے ہیں اور ایک سازش کے تحت ان سے بجلی کا بل بھی زیادہ یعنی کمرشل ریٹ پر وصول کیا جاتا ہے۔اس کے باوجود ہمارے کسان اب تک بڑی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔یہ تو زراعت کا ایک شعبہ ہے اگر اس میں بہتری کے اقدامات کئے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ہم زرعی لحاظ سے بہت زیادہ ترقی کرسکتے ہیں۔زراعت میں ترقی کرنے کا مطلب یہ کہ ہم غلہ میں خودکفیل ہوسکتے ہیں۔تیل پیدا کرنے والے بیج اور دالوں میں خودکفیل ہوسکتے ہیں۔سبزیاں،چاول،چینی وغیرہ ہمارے پاس ہماری ضرورت سے زیادہ ہوسکتی ہے۔اس طرح ہماری کپاس اور چاول کی پیداوار سرکاری سرپرستی اور توجہ کے ساتھ منصوبہ بندی کر کے کاشت کی جائے تو ہم ان دوفصلوں کے ذریعہ بھی بہت زیادہ غیرملکی زرمبادلہ کما سکتے ہیں۔

مگر جاپان کے شہری اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ پاکستان اتنا بڑا ملک ہے یہاں دریا ہیں اور دنیا میں نہروں کا سب سے بڑا نظام موجود ہے اس کے باوجود ہم لوگ غریب ہیں جاپان اور دیگر ممالک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل کسی دوسرے ملک کو نہیں دیئے اس کے باوجود وہاں زراعت اور صنعتیں ٹھیک چل رہی ہیں مگر پاکستان میں زراعت بدحال ہے۔زرعی انڈسٹری بدحال ہے۔عام صنعتیں تباہ ہوگئی ہیں۔ٹیکسٹائل انڈسٹری بند پڑی ہے آخر کیوں...... پاکستان کے ورکر دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں دن رات کام کرتے ہیں۔اپنے ملک میں بیٹھ کر کام کیوں نہیں کرتے۔اس ساری صورت حال کا دنیا بھر کے ماہرین نے جو تجزیہ کیا ہے یقیناً سارے پاکستانیوں کو علم ہوگا۔میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہتا مگر یہ بات ہر ایک کے لیے حیرت ناک ہے کہ پاکستان کے صنعت کاروں کو کیا ہوا ہے۔یہ کوریا،سنگاپور،ملائیشیا،انڈونیشیا اور

دیگر ممالک میں تو صنعتیں لگاتے پھر رہے ہیں مگر پاکستان کی صنعت کو یہ کیوں نہیں چلا رہے۔ پاکستانی بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضے لے کر یہ ان کارخانوں کو تالے لگا کر غیر ملکوں میں مارے مارے کیوں پھر رہے ہیں؟ اپنے ملک کی صنعت و حرفت کو چلانا تو بہت ہی اہم کام اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے بعد سب سے اہم فرض ہوتا ہے۔

بابائے ملت نے اسلام کو دنیا کا سب سے اچھا اور ثمر آور بیج سمجھ کر پاکستان کا پودا لگا تو دیا اور خود اس امید پر دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ان کے بچے اور ان کے تربیت یافتہ لیڈر اس پودے کو سنبھال کر رکھیں گے اور اپنا خون پلا کر اس کی آبیاری کریں گے مگر انہیں شاید یہ خیال نہیں رہا کہ جن بچوں کے ذمہ وہ اس عظیم پرورش کا کام کر رہے ہیں ان کی اپنی پرورش ٹھیک سے نہیں ہوئی اور یہ نادان بچے اس پودے کی پرورش کیسے کریں گے جس کے سایہ تلے کروڑوں مسلمان تین نسلوں سے پریشان پھر رہے ہیں۔

یہاں میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ پودے کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے کے لیے بچوں کے ذہن میں ٹھیک طریقہ سے کوئی طریقہ بٹھایا نہیں جا سکا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ پودا درخت تو بن گیا مگر اس پیڑ کے پھولوں کی اچھی طرح حفاظت بھی نہیں ہوئی اور شاید اسی لئے اس کا پھل اس قدر میٹھا اور صحت آور نہیں ہے۔ اگر اس پودے کی ہم اچھی طرح دیکھ بھال کرتے اور اچھا پھل پیدا کرتے تو دوسرے ممالک کے لوگ بھی اس میٹھے اور مزیدار پھل سے لطف اندوز ہوتے اور ساری دنیا میں پاکستان کی شہرت ہوتی لوگ اس کے اصول وضوابط ہم سے سیکھتے۔ اپنے ممالک کے پیڑوں کی پیوند ہمارے پیڑ سے کرتے تو شاید ان کے کھٹے پھل والے درخت بھی ہمارے درخت کی طرح میٹھے رسدار اور خوشبو سے نہائے ہوئے پھل دینے لگتے۔

اس پاک سرزمین میں بابائے ملت کی ایک نشانی تھی۔ مادر ملت محترمہ فاطمہ جناحؒ اس مادر مہربان کو اس بات کا بڑا دکھ تھا کہ ان کے بھائی قائداعظم محمد علی جناحؒ کے لگائے ہوئے پودے کو نالائق بچے کر رہے ہیں وہ جب بھی بچوں کو نصیحت کرنے کے لئے کچھ رہنمائی دینے کے لئے آگے بڑھتیں۔ نالائق بچے انہیں پیچھے دھکیل دیتے۔ وہ ایک دفعہ اپنے بڑھاپے کے باوجود ملک وقوم کی رہنمائی جھوٹی اور غلط قیادت کی صفائی کرنے کے لئے آگے بھی بڑھیں۔ انہوں نے پاکستان میں صدارت کا الیکشن بھی لڑا مگر اس ملک میں نالائق بچوں کا ایسا قبضہ ہوا کہ وہ ہماری دیکھتی آنکھوں کے سامنے ہروا دی گئیں۔ اس ملک کے محبِّ وطن لوگ خون کے آنسو روتے رہے مگر قائداعظمؒ کی عظیم الشان بہن کی آنکھوں میں کوئی

آنسو نہ تھا بلکہ ان کی آنکھوں میں غیض وغضب اور اپنے نادان بچوں کے لیے غصہ اور ساتھ ہی یہ انتباہ تھا کہ مجھے تو تم لوگوں نے بے بس کر دیا ہے مگر کیا آپ آئندہ کے لیے یہی کچے اور کھٹے پھل قوم اور عوام کو کھلاتے رہو گے۔قوم کی ماں نے بچوں کو ڈانٹ کر سمجھا دیا اور پھر وہ اس جہان فانی سے چل بسیں وہ اپنے بھائی قائداعظمؒ کی طرح ذاتی مفادات اور اغراض سے پاک ایک فرشتوں کی سی شخصیت تھی۔قوم کا دامن ایک سچی نصیحت اور رہنمائی کرنے والی ماں سے خالی ہو گیا۔

فوجی حکومتیں

بابائے قوم نے ہمیں جمہوریت اور اس کے اصول سکھائے۔پاکستان کے بن جانے کے بعد ان کی مختصر زندگی کا ہر قدم اور منہ سے بولا ہوا ہر لفظ ہمارے لئے ایک سبق ہے۔انہوں نے ہر انداز میں عمل کر کے ہمیں بتایا کہ جمہوریت کیا ہوتی ہے۔قانون کا احترام کیا چیز ہے اور ہر بااختیار شخصیت کے کام کرنے کے لیے ایک محدود دائرہ کار ہے۔جب ہم اپنے فرائض کو صحیح طرح ادا کریں تو کوئی دوسرا اپنے فرائض سے غفلت نہیں برت سکتا۔قائداعظمؒ کی زندگی، ایک منظّم اور باقاعدہ انسان کی زندگی تھی۔وہ اگر پورے ملک کی زمین اپنے نام لکھوا لیتے تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔مگر انہوں نے تو سرکاری خزانہ سے تنخواہ لینا بھی گوارانہ کی ساری زندگی اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت سے اپنے اخراجات کرتے رہے۔ اپنی ذاتی کمائی ہوئی دولت سے خریدی ہوئی جائیداد کا ٹیکس باقاعدگی سے ادا کرتے وہ اپنے بینک بیلنس کو قانون کی نظروں سے چھپانے کو غداری خیال کرتے۔ان کے ذاتی آمد و خرچ کے حسابات کے رجسٹر آج بھی ان کی یادگار اشیاء میں موجود ہیں اور انہوں نے اس جہان فانی سے رخصت ہونے سے قبل اپنی تمام جائیداد۔قوم کے تعلیمی اداروں اور ایسے تدریسی اداروں کے نام کر دی جہاں وہ خود تعلیم حاصل کرتے رہے اور ان کی وصیت میں درج ہے کہ ان کی اس جائیداد میں سے جو کچھ بھی سرکاری ٹیکس بنتا ہے وہ ریاست کو ادا کیا جائے۔

بابائے ملتؒ کی اس جہان سے رخصتی کے فوراً بعد ہم انہیں اور ان کی تعلیمات کو بھول گئے۔ہم سب اقتدار اور اختیارات کو اپنے قبضہ میں کرنے کی جنگ میں مصروف ہو گئے۔اقتدار کی اس جنگ میں ہم نے جمہوری اداروں میں بیٹھ کر جمہوری آداب کو پائمال کر دیا اور اسمبلیوں میں اپنے سے اختلاف رکھنے والوں کو مارا پیٹا ان سے ہاتھا پائی کی اور مشرقی پاکستان اسمبلی کا ایک ڈپٹی سپیکر اس ہولنا کی میں مارا بھی گیا۔یہ تو جمہوری انداز نہیں تھا اور نہ ہی ہمارے بابا کا راستہ اس طرف سے گزرتا تھا۔بس جب ہم نے اپنی راہ گم کی تو ہم اپنی منزل سے بھٹک گئے۔

میرے پیارے بابا! حضرت قائداعظمؒ میری زبان سے یہ باتیں سن کر پریشان ہو رہے تھے۔انہوں نے کہا کہ تم سمجھ رہے ہو کہ غلطی کہاں سے ہوئی۔ کس نے کی، تو میں نے کہا...... باباجی! غلطی کسی ایک فرد سے نہیں ہوئی محسوس ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی تربیت آپ نے کی تھی وہ لوگ کم تھے اور اقتدار کی اس جنگ میں بے بس ہوگئے ہوں گے۔ اس پر بابائے ملت نے کہا ''یہ بات جزواًدرست ہے، مگر جو لوگ میرے ساتھی رہے تھے وہ ایسے کمزور لوگ نہیں تھے...... وہ اگر میرا نام لے کر اصولی موقف پر ڈٹے رہتے تو پاکستان کے لوگ جو انگریزی زبان سے نابلد ہونے کے باوجود میری انگریزی تقریریں سن کر کہتے تھے کہ ہمیں انگریزی کی سمجھ نہیں آئی مگر یہ شخص جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ یہ لوگ میرے ساتھیوں کو کبھی تنہا نہ چھوڑتے۔ اگر میرے ساتھی، میرے تربیت یافتہ لوگ میرے راستہ اور طریق کو نہ چھوڑتے۔ لوگ آج بھی، اصول اور ضوابط کی بات کرتے ہیں۔ لوگ ان کی بات سنتے ہیں جو لوگ سچ کہتے ہیں لوگ ان پر اعتبار کرتے ہیں۔'' بابائے ملتؒ بہت مضطرب تھے ان کی فراخ پیشانی پسینے کے قطروں سے سج سی گئی تھی۔ وہ مجھے کہنے لگے۔ ''ہمایوں! تم بچے ہو میں تمہارے سامنے کس کس کا نام لوں۔ یہ سب نام تاریخ میں محفوظ ہیں اور پاکستانی قوم اور عوام بہت سمجھدار ہے یہ لوگ اشاروں سے بات سمجھ لیتے ہیں۔''

بابائے ملتؒ ٹھیک کہہ رہے تھے میں نے انہیں زیادہ تکلیف دینا مناسب خیال نہ کیا اور انہیں آرام کرنے کا مشورہ دے کر اپنے سٹڈی روم میں آ گیا اب میں سوچ رہا تھا کہ مجھ جیسا ایک ادنیٰ شہری، پاکستان سے محبت کرنے کے حوالے سے اگر قائداعظمؒ کی براہ راست رہنمائی حاصل کرسکتا ہوں تو ہمارے لیڈروں نے یہ کیوں نہ کیا۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد ان کی کرسی پر کوئی اکیلا قابض ہونے کے بجائے بزرگوں کی ایک کونسل بنا دیتا، تاکہ ملک کے سارے امور یہ بزرگ دیکھ کر اور سوچ سمجھ کر طے کرتے، اور ہم قائداعظمؒ کے اصولوں سے انحراف نہ کرتے مگر جو بدنظمی، لوٹ مار اور سیاسی جوتم بیزار نے برپا کردی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 8 اکتوبر 1958ء کو پاکستان میں اس وقت کے صدر پاکستان جنرل سکندر مرزا اور افواج پاکستان کے سالار جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کردیا اور سیاست دانوں کو اقتدار کے ایوانوں کے باہر کھڑا کر دیا۔ ایوب خان بھی قائداعظمؒ کا نام لے کر سامنے آئے انہوں نے نہ صرف قائداعظمؒ کے نام کا کھلم کھلا استعمال کیا اور قائد ہی کے نام سے پارلیمانی جمہوری نظام کو رد کر کے صدارتی نام کا آغاز کیا۔ تقریباً گیارہ برس تک ایوب خان، جو جنرل سے فیلڈ مارشل اور ملک کے صدر مملکت کے عہدوں پر خود بخود فائز ہوئے، ہمہ مقتدر رہے۔ انہوں

نے پرانے سیاستدانوں کو عملی سیاست میں حصہ لینے کیلیئے نااہل قرار دے دیا اور بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت، بلدیاتی سطح کے نمائندوں کے ساتھ ملک کے نظم ونسق کو چلانے کی کوشش کرتے رہے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک میں قومی شعور اور پاکستانی قومیت کا تصور کمزور ہوتا چلا گیا۔ پاکستانی قومیت کے بجائے ملک میں صوبائی، لسانی، ذات برادری اور علاقائی تصورات مضبوط ہوگئے۔ فوجی آمریت کے ایوب خانی دور میں صنعت وحرفت کی ترقی تو ہوئی مگر اس عرصہ میں صوبائی تعصّبات بڑے گہرے ہوگئے۔ صوبہ سرحد، بلوچستان اور سندھ کے سیاست دان ون یونٹ کو توڑنے اور پنجاب کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف رہے اور مشرقی پاکستان میں جہاں پہلے ہی اردو بولنے والوں کے خلاف شدید مزاحمت موجود تھی۔ اس عرصہ کے دوران مشرقی پاکستان کے رہنے والے تمام لوگوں کو پنجابی قرار دے کر ان کے خلاف صف آرا ہوتے گئے۔ وہ ایوب خان کو بھی پنجابی اور جنرل اعظم خان کو بھی پنجابی قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک چودھری خلیق الزمان اور وہ تمام لوگ پنجابی تھے جو ایوب خان کے دست و بازو بنے ہوئے تھے، ایوب خان کے دور حکومت میں پاکستانی نیشنل ازم سب سے زیادہ کمزور ہوا اور جب ایوب خان ایوان اقتدار سے رخصت ہوئے تو اس وقت تحریک پاکستان میں حصہ لینے والے قائداعظمؒ کے ساتھی اور پاکستان کا درد رکھنے والے سیاستدانوں کے بجائے دوسرے درجہ کے سیاستدان ابھر کر سامنے آئے۔ جن کے نزدیک پاکستانی نیشنلزم کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا اور ان سیاسی لیڈروں نے صوبائی سطح کی علاقائی سیاست کی۔ جس سے پاکستان میں علاقائی تعصّبات مزید گہرے ہوگئے۔

ایوب خان، رخصت ہوئے تو انہوں نے عنان اقتدار جنرل یحیٰی خان کے سپرد کر دی جنہوں نے نیا مارشل لاء لگا دیا۔ آئین کو منسوخ کر کے پورے ملک میں انتشار کی ایک نئی صورت پیدا کر دی۔ انہوں نے سیاسی نرمی کے نام پر سیاستدانوں کو قومی مفادات کے خلاف پروپیگنڈا کی بھی کھلی اجازت دے دی۔ جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ صوبائیت کا درس دینے والے سیاست دان ابھر کر سامنے آ گئے اور انہوں نے دوسرے صوبوں پر اپنے حقوق کھا لینے کے الزامات لگائے ان میں سب سے آگے مشرقی پاکستان کے لیڈر شیخ مجیب الرحمٰن تھے۔ جنہوں نے باقاعدہ طور پر پنجاب کے خلاف نفرت کی تحریک چلائی اور یہ ثابت کرنے پر پورا زور لگا دیا کہ پاکستان کے تمام وسائل پر پنجاب قابض ہے۔ حالانکہ یہ بات کسی طور بھی درست نہ تھی اس وقت اگر کوئی یہی الزام مشرقی پاکستان پر لگاتا تو اسے بھی اسی آسانی سے ثابت کیا جاسکتا تھا جیسا کہ پنجاب پر۔ کیونکہ بنیادی طور پر دونوں صوبے زرعی بنیاد پر ایک جیسی معیشت کے حامل ہیں اور دونوں صوبوں

میں صنعتی ترقی بھی تقریباً ایسی تھی کہ مشرقی پاکستان کے تین کارخانوں کے مقابلے میں پنجاب میں ایک کارخانہ تھا جبکہ اس سارے عمل میں سب سے زیادہ ترقی صوبہ سندھ کی ہوئی جہاں کراچی میں بغیر سوچے سمجھے صنعت کا ستر فیصد حصہ لگا دیا گیا۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ صنعتوں کو ملک بھر میں پھیلا کر لگایا جاتا اور اگر صنعتوں کو کسی ایک جگہ اکٹھا کرنے کی ضرورت تھی تو وہ علاقہ بلوچستان کا تھا کہ بلوچستان کی طویل ساحلی پٹی پر صنعتیں اس طرح لگائی جاتیں کہ بلوچستان کے کم آبادی والے اور کم ترقی یافتہ علاقہ کو ترقی بھی ملتی اور وہاں ارتکاز آبادی سے شہری مسائل پیدا ہونے کا خطرہ بھی نہ ہوتا جیسا کہ کراچی میں ہوا۔

نفرت کی سیاست کا نتیجہ 1971ء میں پاکستان کے دولخت ہونے کی صورت میں برآمد ہوا۔ پاکستان کے دونوں حصوں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں اختلافات کا اصل مرکز کیا تھا......؟ جب میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تو میں نے پھر بابائے پاکستان سے رجوع کیا کہ دریافت کروں کہ پاکستان ٹوٹ جانے کی اصل وجہ کیا تھی...... بابائے ملت قائداعظمؒ اور محترمہ مادرملت دونوں نے میرا استقبال کیا اور میرے سوالات کا خیر مقدم کرتے ہوئے مجھے اجازت دی کہ میں ان سے جو چاہے پوچھوں۔ میں نے ڈرتے ڈرتے ان سے کہا کہ آپ اگر بنگالی اور اردو زبان دونوں کو پاکستان کی قومی زبانیں قرار دے دیتے اور انگریزی کو رابطے کی زبان رہنے دیتے تو شاید مشرقی پاکستان میں نفرت کی وہ لہر نہ پیدا ہوتی جو بعد میں پاکستان مخالف تحریک بن گئی۔ میرا یہ سوال سن کر مادرملتؒ کے چہرے پر ناراضگی کے اثرات نمایاں ہوئے مگر قائداعظمؒ پرسکون تھے۔ انہوں نے بڑے تحمل سے سوال کو سن کر کہا۔

مشرقی پاکستان، اور مغربی پاکستان باہم مل کر پاکستان بنتے ہیں۔ پاکستان کے سیاستدانوں اور قومی لیڈروں نے پاکستان کو ایک قوم بنانے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ میرے سامنے سوال صرف یہ رکھا گیا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان انگریزی ہو یا اردو۔ میں نے اردو کے حق میں کہہ دیا مگر پاکستان کے سیاست دان۔ قومی پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیاں مل کر اس میں بنگالی زبان کا اضافہ کر دیتے۔ اصل سوال یہ نہیں کہ صرف اردو کو قومی زبان قرار دیا گیا 50 سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے باوجود پاکستان میں قومیت کا کوئی تصور ابھرا ہے؟ میں نے تحریک پاکستان کا مطالبہ ہی اس بنیاد پر کیا تھا کہ مسلمان ایک قوم ہیں اور پاکستان بننے کے بعد میرا فلسفہ ہی یہ تھا کہ پاکستانی ایک قوم ہیں۔ بنگالی، پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچ۔ یہ سب لوگ ایک قوم ہیں اور میں نے اس میں اضافہ بھی کیا کہ پاکستان میں جو لوگ غیر مسلم ہیں وہ بھی

پاکستانی قوم میں شامل ہیں۔ کیا اس فلسفہ کو آگے بڑھایا گیا......؟ قومیں تو اسی طرح بنتی ہیں...... یہ کام میں ضرور کرتا، مگر میں تو زندہ نہیں رہا، اور پھر جب میری بہن یہ کام کرنے کے لئے آگے بڑھی تو اسے آپ لوگوں نے ایوب خان کے مقابلہ میں صدارتی انتخاب میں ہی ہروا دیا...... ٹھیک ہے، جب آپ کو میں میسر نہیں تھا اور میری بہن کو آپ نے اپنا لیڈر نہ بنایا تو پھر مجھ سے گلہ کیا......''

قائداعظمؒ نے نہایت صبر وسکون کے ساتھ یہ جواب دیا۔ میں شرمندگی سے ان کے محزون چہرہ کو دیکھ رہا تھا جس پر غم اور اضمحلال کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مجھے بے حد خجالت محسوس ہوئی کہ میں نے ایک ایسے سوال کے جواب کے لئے بابا کو تکلیف دی جس میں ان کا قصور بالکل نہیں تھا...... بلکہ انہوں نے تو ایسے اختلافات کو بالکل ختم کرنے کے لئے ایک بہترین فلسفہ ہمیں دیا۔ جسے نہ ہم سمجھ سکے اور نہ ہی اس پر عمل کر سکے۔ میں نے بابائے ملت اور محترمہ مادر ملت کو جھک کر سلام کرتے ہوئے رخصت چاہی۔ بابائے قوم نے شفقت سے کہا۔ ''ہمایوں جب بھی کوئی الجھن ہو تو، تم مجھ سے رجوع کر سکتے ہو...... بلکہ ہر پاکستانی کو کہو کہ وہ جب بھی کوئی مشکل لمحہ پائے۔ مجھ سے رجوع کرے۔ میں مرنے کے بعد بھی پاکستان اور اہل پاکستان ہی کے لئے ہوں......''

بابا سے یہ میری دوسری ملاقات تھی۔ میں نے بابا کے فلسفہ پر غور کیا تو دیکھا کہ ہم...... پاکستان کے چودہ کروڑ عوام...... 98 فیصد مسلمان ہیں۔ ایک خدا، ایک قرآن اور ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ مگر اس کے باوجود ہم لوگ مہاجر، پٹھان، سندھی، بلوچی اور پنجابی کی تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں اور دوسری طرف ہمارے دشمن بھارت جہاں سکھ، مسلمان، عیسائی، شودر، چھوٹی ذاتوں کے لوگ، بدھ اور بے شمار دیگر مذاہب کے لوگ جو ایک دوسرے کی زبان بھی نہیں سمجھتے وہاں دن رات۔ ہم ایک ہیں۔ ہم ایک ہیں کے نعرے بلند کئے جا رہے ہیں حالانکہ وہ لوگ ایک نہیں ہیں۔ میزو...... ان میں سے نہیں ہیں۔ نکسلائیٹ ان میں نہیں ہیں، سکھ سب سے علیحدہ ہیں، بدھ اور دیگر مذاہب کے لوگ ان سے جدا ہیں۔ چھوٹی ذاتوں اور شودروں کو ہندو دور سے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مسلمانوں کا نام لینے سے ان کی زبان بھرشٹ ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود پورے بھارت میں ہم ایک ہیں۔ ایک قوم ہیں کا شور سنائی دیتا ہے۔ آخر یہ کیا ہے؟

بنگالی ہمارے مسلمان بھائی ہیں مگر ہم نے انہیں بھائی نہ بنایا۔ البتہ مغربی بنگال کے ہندوؤں نے بنگالی نیشنلزم کا زبردست پروپیگنڈہ کر کے انہیں یقین دلا دیا کہ مسلمان کی حیثیت سے تم لوگ قوم نہیں بلکہ بنگالی کی حیثیت سے ایک

قوم ہو سکتے ہو۔ یہ ہماری غلطی ہے۔ ہمارے علمائے کرام کی غلطی ہے جنہوں نے پاکستانی اور اسلامی نیشنلزم کو پروان چڑھنے ہی نہیں دیا۔ اگر ہم قائد محترم بابائے ملت کے فلسفہ پر عمل کرتے تو بنگالی، پاکستانی قومیت کو قبول کر کے ہمارے ساتھ کھڑے ہوتے مگر آج بھی ہم لوگ ......مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کو پاکستانی نیشنلزم کی بنیاد پر ہی مضبوط وفاق بنا سکتے ہیں مگر پاکستان کے ریڈیو، ٹیلی ویژن اور قومی میڈیا پر وفاق پاکستان کا نام تو ہے مگر قومی نیشنلزم کا نام نہیں ہے۔ مغربی اور مشرقی جرمنی قومیت کے نام پر متحد ہو سکتے ہیں۔ ویت نام کے دونوں حصے متحد ہو سکتے ہیں۔ جنوبی اور شمالی کوریا میں اتحاد کی یہ بنیاد بنانے پر غور ہو سکتا ہے تو پھر۔ ہم لوگ پاکستان میں پاکستانی قومیت کے تصور سے کیوں ڈرتے ہیں۔ ہمارے درمیان محبت اور یگانگت اسلامی بنیادوں پر پاکستانی قومیت کا فلسفہ بھی بن سکتا ہے اور ہمیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔ جنرل یحیٰی خان کے دور میں سقوط ڈھاکہ کا سانحہ ہوا جو کہ تقریباً سقوط قرطبہ کے بعد مسلمانوں کی تاریخ کا سب سے خوفناک سانحہ تھا۔ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا لیکن مجھے یاد ہے کہ اس سانحہ کا سن کر میرے والد اور میرے دادا دھاڑیں مار مار کر روتے رہے، مجھے کئی برسوں کے بعد سمجھ آئی کہ ہمارے ساتھ کتنا بڑا سانحہ پیش آیا تھا۔

اس سانحہ کے بارے میں کہ یہ کیوں پیش آیا۔ اس کی وجوہات کیا تھیں۔ اس سانحہ کی بنیاد کہاں سے شروع ہوتی ہے اگر بنگلہ دیش ہی بننا تھا تو 1947ء میں ایک پاکستان بننے کے بجائے پاکستان اور بنگلہ دیش علیحدہ علیحدہ وجود میں کیوں نہ آ گئے۔ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب نئی نسل ڈھونڈ رہی ہے اور ان کا جواب نہ ملنے کی وجہ سے ہی سندھو دیش، پختونستان، سرائیکستان اور دیگر نام ابھر کر سامنے آ رہے ہیں۔ آج پاکستان دولخت ہونے کے وقت اہم سیاسی حیثیت رکھنے والے اور فوجی کمانڈر، زندہ ہیں۔ اگر حکومت کے بااختیار لوگ چاہیں تو آج بھی اس سلسلہ میں ایک تفصیلی تحقیقاتی رپورٹ تیار کی جا سکتی ہے جو ہماری آئندہ نسلوں اور تاریخ پاکستان کے مورخ کے لئے بہت فائدہ مند ہو گی اور ان کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ لوگ یہ سوال کرنا بند کر دیں گے کہ پاکستان بحیثیت ریاست اپنے مقاصد پورے نہیں کر سکا یا ہم بحیثیت قوم پاکستان کے ذریعہ وہ مقاصد حاصل ہی نہیں کر سکے جن کے لئے ہم نے یہ ملک بنایا تھا اور اس کے ذریعہ ہم یہ بنا سکتے ہیں کہ پاکستان دولخت ہو جانے سے دو قومی نظریہ کی کیا حیثیت باقی رہ گئی ہے اور ہم اس کتاب میں یہ وضاحت بھی کر سکتے ہیں کہ پاکستان، اگر قائداعظمؒ کے نظریہ کے مطابق ایک مذہبی ریاست کی شکل اختیار نہ کرتا اور مسلمانوں کا ایک سیکولر ملک رہتا تو اس کی کیا صورت ہوتی۔ مگر اس کے لئے لمبی تحقیق اور جستجو کی ضرورت ہو گی۔ بحیثیت قوم ہمیں یہ کام ضرور

کرگزرنا چاہیئے۔ یہ تاریخ کا پاکستانی قوم پر بھاری قرض ہے۔ جنزل یحیٰی کی حکومت سقوط ڈھاکہ 16 دسمبر کے ایک ہفتہ بعد یعنی 22 دسمبر 1971ء کو ختم ہوگئی۔ فوجی جرنیلوں نے جنزل یحیٰی خان کو معزول کر کے مغربی پاکستان کے پارلیمانی لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کو مغربی پاکستان کا صدر اور چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ بھٹو مرحوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت بڑے ذہین، لائق سیاسی رہنما تھے۔ انہوں نے روٹی، کپڑا اور مکان کے معاشرتی مسائل جو کہ عوام کی اکثریت سے تعلق رکھتے ہیں سے بات شروع کی اور انتخابات کا سیاسی ایشو بنایا۔ اس کے مقابلہ میں مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کے وسائل کی لوٹ مار اور پنجاب کی خوشحالی کا ایشو کھڑا کیا تھا۔ دیکھا جائے تو بھٹو نے انتخابات میں مثبت رویہ اختیار کر کے عام آدمی کی بہبود اور مراعات یافتہ طبقہ کے خلاف ایک سیاسی پروگرام دیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مشرقی پاکستان کے عوام کو سراسر ایک منفی نعرہ پر سیاسی محاذ آرائی کے لئے یکجا کر لیا گیا۔ اس طرح دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ بھٹو مجیب کے مقابلہ میں پاکستانی سیاست کر رہے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو اپنی تمام تر ذہانت اور علم و فضل کے باوجود اس مشکل موقع پر مشرقی پاکستان کے عوام کے لئے کوئی مثبت پروگرام نہیں دے سکے، اس کی وجہ بھی شاید سابقہ فوجی حکومتوں کے دوران سیاسی قائدین کے گٹھ جوڑ کر دیئے گئے تھے۔ ہو سکتا ہے یہی وجہ ہو کہ بھٹو اپنی تمام صلاحتیوں کے باوجود قومی لیڈر بننے کی بجائے صرف مغربی پاکستان کے ایک لیڈر بن گئے۔ انکا قد بہت بڑا ہو جاتا اگر وہ مشرقی پاکستان کے عوام کو بھی اپنے اس معاشی اور معاشرتی پروگرام سے متاثر کر پاتے۔ مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ 1970ء کے بعد پاکستان کی سیاست کیا ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو نے مشرقی پاکستان کے عوام کو متوجہ کرنا مناسب خیال نہ کیا اور نہ ہی انہوں نے مشرقی پاکستان میں مجیب مخالف قوتوں سے کوئی اتحاد بنا کر وہاں الیکشن جیتنے یا کم از کم لڑنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ اس باتوں سے یہ شبہ پایۂ یقین کو پہنچتا ہے کہ 1970ء کے عام انتخابات سے قبل کہیں نادیدہ قوتوں نے کوئی ایسا معاہدہ کر رکھا تھا جس سے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کے درمیان اناد کو ختم کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ وگرنہ مولانا عبدالحمید خان بھاشانی 1970ء کے عام انتخابات سے قبل دونوں حصوں کے سیاستدانوں کے درمیان اتحاد کی کوشش کرتے رہتے۔ انہیں ساہیوال کے ریلوے اسٹیشن پر مارا پیٹا گیا۔ انکی داڑھی کھینچی گئی۔ لاہور میں ان کے خلاف زبردست سکینڈل وضع کیا گیا اور ان پر شرمناک الزامات عائد کر کے انہیں مجبور کر دیا گیا کہ وہ مغربی پاکستان کے لوگوں کو سلام و علیکم کہہ کر غائب ہوگئے۔ یاد رہے کہ انہوں

نے 1970ء انتخابات کے التواء کے لئے بھی بہت کوشش کی مگر کسی نے انکا ساتھ نہیں دیا۔ اور یہ مولانا بھاشانی ہی تھے جنہوں نے شیخ مجیب الرحمن کے بنگلہ دیش پروگرام پر کام کرنے کی سازش کا الزام سب سے پہلے لگایا تھا۔ مگر مغربی پاکستان کے سیاسی راہنماؤں اور حکمرانوں نے اسکا کوئی نوٹس نہیں لیا۔

اس سارے پس منظر کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو مغربی پاکستان کے اہم اور متحرک سیاسی راہنما بن گئے۔ ان پر انکے مخالف سیاستدانوں کا الزام ہمیشہ عائد رہے گا کہ بنگلہ دیش کے قیام میں انکا بھی اہم کردار تھا، اور انہوں نے اقتدار میں آنے کے بعد حمود الرحمن کمشن کے عنوان سے سقوط ڈھاکہ کے سلسلہ میں جو تحقیقاتی رپورٹ بنوائی یہ بہت ہی محدود دائرہ کار میں تھی اور پھر یہ رپورٹ شائع ہی نہیں کی گئی اور اب کہا جا رہا ہے کہ یہ گم ہو چکی ہے۔ مرحوم کی بیٹی بے نظیر بھٹو دو دفعہ پاکستان کی وزیر اعظم رہ چکی ہیں انہوں نے اپنے اقتدار کے دوران اس سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہیں کی اور نہ ہی یہ کوشش کی ہے کہ انکے والد کے سر سے یہ الزام دور ہو سکے۔ اس سے یہ معاملہ مزید پر اسرار اور خوفناک ہو جاتا ہے۔

پاکستان کی کسی نہ کسی حکومت کو اس سلسلہ میں مثبت رویہ اختیار کرتے ہوئے سقوط ڈھاکہ کی ایک رپورٹ تیار کرانا چاہئے کہ آخر یہ ملک کیوں دولخت ہوا۔ قائد اعظمؒ کی طرف سے اسکا جواب صرف یہی ملتا ہے کہ ہم لوگ ایک ملک تو بنانے میں کامیاب ہو گئے مگر ہم لوگ ایک قوم نہ بن سکے۔ اس سانحہ کی سب سے بڑی وجہ تو یہی ہے۔ ہمیں فلسفیانہ توجیہہ کے بعد اسکے عملی پہلوؤں پر بھی غور کرنا چاہئے اور اس کے بعد ہمیں انھی بنیادوں پر مغربی پاکستان کے چاروں وفاقی یونٹوں کو اکٹھا رکھنے کے لئے نئی اور جاندار پالیسی اختیار کرنے میں راہنمائی مل سکتی ہے۔

میرے خیال میں ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کو بانی پاکستان کے خیالات کی بجائے اپنے خیالات پر چلانے کی کوشش کی تھی۔

بابا قومؒ نے فرمایا۔ ایمان

بھٹو جی نے کہا۔ اسلام ہمارا دین ہے۔

بابا قومؒ نے فرمایا۔ اتحاد

بھٹو جی نے کہا۔ جمہوریت ہماری سیاست ہے۔

بابا قومؒ نے فرمایا۔ تنظیم

بھٹو جی نے کہا۔ سوشلزم ہماری معیشت ہے۔

بابائے قومؒ نے جو تین اصول وضع کئے تھے وہ بنیادی طور پر اسلام کی ہی بنیاد پر پختہ ایمان، اتحاد اور پختہ تنظیم روحانی جسمانی اور سیاسی طور پر تھے۔

لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے ان تین اصولوں کو دوسرے رنگوں میں رنگ کر اپنے سیاسی وفاع کیلئے پہلے اسلام ہمارا دین کہہ کر مذہبی حلقوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی (مگر اس میں انہیں کامیابی نہیں ہوئی) دوسرے نمبر پر جمہوریت کو اپنی سیاست قرار دے کر دنیا کے ساتھ تعلقات رکھنے کے لئے ہتھیار بنایا اور اس سلسلہ میں بھٹو نے سب سے بڑے ہتھیار کے طور پر سوشلزم کو اپنی معیشت قرار دے کر پاکستان کے معاشی طور پر بدحال طبقات کو اپنے قعلہ بنالیا اور سب نے یہ جانے بغیر کہ سوشلزم کیا ہوتا ہے، آسان لفظوں میں روٹی، کپڑا، اور مکان کی صورت میں اسے قبول کرلیا۔ عوام نے روٹی کپڑا اور مکان کے نام پر بھٹو کو ووٹ دیئے۔ کیونکہ سب لوگ اس بات کے قائل تھے کہ اگر پیٹ میں روٹی نہیں ہے پہننے کو لباس نہیں اور رہنے کے لئے مکان نہیں تو پھر سب کچھ جھوٹ ہے مگر ان تمام چیزوں کا جھوٹا لالچ دے کر بھٹو نے ایک ایسی سیاست کا آغاز کیا جس میں عوام کو جھوٹے پروگرام دینے اور وعدے کرنے کا آغاز ہوا۔ انہوں نے اپنے ان نعروں کی تکمیل کے لئے پاکستان میں جھوٹی روٹی اور ادھوری صنعتوں بنکوں اور اہم کاروباری اداروں کو قومی ملکیت میں لینے کا وعدہ کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہماری وہ صنعتیں جو ابھی قائم ہی ہوئی تھیں، اور ابھی تک یہ مستحکم نہیں ہوئی تھیں قومی ملکیت میں لے کر پیپلز پارٹی کے جیالے لیڈروں اور کارکنوں کے حوالے کر دی گئیں جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے ان صنعتوں کو دیمک کی طرح کھالیا۔ اس طرح پاکستان کے نئے اور ناپختہ سیاسی ڈھانچہ نے عمل میں آتے ہی پاکستانی صنعت اور معیشت کی بنیادیں ہضم کر لیں، بنک دیوالیہ اور صنعتیں ویران ہوگئیں۔ یہ مرحلہ صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کا نہیں تھا۔ پاکستان میں جو صنعتیں قائم ہوئی تھیں یہ عام صارفین کے استعمال کی اشیاء تیار کرنے والی تھیں۔ پاکستان میں بنیادی صنعتیں تو ابھی قائم ہی نہ ہوئی تھیں۔ جیسا کہ پاکستان سٹیل ملز کراچی، ٹیکسلا میں ہیوی کمپلیس جو فوج کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ پاکستان صنعتی لحاظ سے ابھی اپنی بنیادی ضروری تیاریوں میں تھا۔ اسے کم ازکم دس سال مزید ایسی سرپرستی کی ضرورت تھی کہ اسکی صنعت کا سائیز بڑھتا لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوتی۔ چھوٹی چھوٹی صنعتیں آہستہ آہستہ بڑی اور منافع آور صنعتوں کی صورت اختیار کرتیں، مگر بھٹو مرحوم کے اس نام نہاد سوشلسٹ انقلاب کی زد میں معمولی چاول چھڑنے کی مشین، کاٹن جیننگ فیکٹریاں اور پانچ دس

کھڈیوں کے یونٹ بھی شامل تھے۔ بعد میں جب اس کے نتائج دیکھے تو محسوس ہوا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے زمانہ میں انڈسٹری اور بنکوں کے قومیائے جانے کا عمل اس ملک میں صنعت و معیشت کی مکمل تباہی کا اقدام تھا۔ روٹی، کپڑا اور مکان کے نام پر لگایا گیا نعرہ بہت طاقتور تھا اور عوام نے اس نعرہ کو قبول کرتے ہوئے بھٹو کو بہت زیادہ قوت و اختیار کا مالک بنا دیا مگر بھٹو نے اس قدر طاقت عطا کرنے والے عوام کو سوائے بھوک افلاس اور جھوٹے وعدوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ انہوں نے ایک ایسا نظام قائم کیا جو نظر تو پارلیمانی جمہوری نظام تھا مگر حقیقت میں پارلیمان پر انکی گرفت اس قدر مضبوط تھی کہ پارلیمنٹ کو انہوں نے ربڑ سٹیمپ بنا لیا۔ عوام پر لاٹھی اور گولی چلانے کے لیے پولیس کے علاوہ ایف ایس ایف جیسی مسلح فورس تیار کر لی گئی۔ وہ ایک ایسے عوامی لیڈر تھے جو عوام سے ووٹ لینے کے علاوہ کسی معاملہ میں نہ کوئی کام لینا چاہتے تھے اور نہ ہی عوام سے انہیں کوئی ہمدردی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو ایک جاگیر دار اور مغرور انسان تھے۔ انہوں نے پاکستان کا آئین بنایا جو 1973ء کے آئین کے نام سے مشہور ہے۔ مگر انہوں نے پہلے تین چار ماہ میں اس میں اسقدر ترامیم کر دیں کہ انکے آئین کا حلیہ بگڑ گیا۔ بھٹو جتنا عرصہ بھی برسر اقتدار رہے ملک میں ہنگامی حالات نافذ رہے بنیادی شہری حقوق معطل رہے۔ پاکستان میں لفظ جمہوریت بہت معروف ہے مگر اسکی تعریف جو ابراہام لنکن نے کی تھی وہ کبھی بھی زیر عمل نہیں رہی بلکہ پاکستانی حکمرانوں نے جمہوریت سے ہمیشہ نئے مطالب ہی برآمد کیے ہیں۔ پاکستان میں جب بھی انتخابات ہوتے ہیں بڑے بڑے جاگیر دار، زمیندار، صنعت کار سرمایہ دار اور سمگلر میدان عمل آ جاتے ہیں اور اب ان طبقات میں کلاشنکوف بردار علماء کرام کا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ لوگ الیکشن کے دونوں میں کرڑوں روپے شامیانوں اور اپنے دفتروں پر خرچ کرتے ہیں جہاں سینکڑوں افراد روزانہ کھانے کھاتے ہیں اور عیش کرتے ہیں۔ بڑے بڑے رنگین پوسٹر اور اخبارات میں اشتہارات شائع ہوتے ہیں۔ عام آدمی کو خرچ کئے جانے والے کروڑوں روپے میں سے ایک دھیلہ بھی نہیں ملتا۔ یہ سب سرمایہ ہر علاقے کے بدمعاش قاتل اور مفرور اشتہاری ملزم کھاتے ہیں اور مخالف امیدواروں کو دہشت زدہ کر کے ان کے ووٹ توڑتے ہیں۔ لوگوں کو الیکشن کے دن کوئی نہ کوئی امیدوار کے ایجنٹ اپنی بسوں اور ویگنوں میں بھر کر پولنگ سٹیشنوں پر لے جاتے ہیں اور لوگ جس دباؤ پر زیادہ ووٹ ڈال دیتے ہیں۔ چونکہ الیکشن میں زیادہ تر ایک قسم کے لوگ ہوتے ہیں کوئی شریف اور معقول انسان الیکشن لڑ ہی نہیں سکتا۔ اس لئے اسمبلیوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پہنچتے ہیں جو قتل، ڈاکے، اغوا، سمگلینگ اور اغوا برائے تاوان جیسے جرائم میں سزا یافتہ یا ملوث ہوتے ہیں۔ بھٹو مرحوم کی اسمبلی میں اکثریت ایسے ہی اوگوں کی تھی اور بعد میں یا پہلے